(شاعری)
تارے کو مہتاب کیا
جمال احسانی
itsurdu.blogspot.com
http://www.pakistanconnections.com/ebooks
itsurdu.blogspot.com

تارے کو مہتاب کیا

(شاعری)

itsurdu.blogspot.com

جمال احسانی

itsurdu.blogspot.com

نشے کی لہر طاری ہو

نشے کی لہر طاری ہو رہی ہے
مری آواز بھاری ہو رہی ہے

رقیبوں پر عنایت برسر بزم
بہت خاطر ہماری ہو رہی ہے

سبھی میرے مرض کو کوستے ہیں
یہ کیا تیمارداری ہو رہی ہے؟

چمن کا راستہ مت گھیر کے بیٹھ
خفا باد بہاری ہو رہی ہے

سب اپنے اپنے گھر میں مطمئن ہیں
مجھے کیوں بے قراری ہو رہی ہے

گلی کے ایک گھر میں' عید کے روز
یہ کیسی آہ و زاری ہو رہی ہے

سنا ہے اس گلی نے عاشقوں کی
نئی فہرست جاری ہو رہی ہے

جو آئے پوچھتا ہے عمر میری
عجب تیار داری ہو رہی ہے

کہاں جائیں پرانے لوگ تیرے
نئی عاشق شماری ہو رہی ہے

مرے پہلو میں وہ ہے اور مجھ پر
عجب وحشت سی طاری ہو رہی ہے

◆◆◆

اک قرض ہے اتار رہے ہیں

اک قرض ہے اتار رہے ہیں کسی طرح
اس عمر کو گزار رہے ہیں کسی طرح

خالی دریچہ دیکھ کے لکنت زباں میں ہے
لیکن تجھے پکار رہے ہیں کسی طرح

دنیا کو بھی کسی طرح نزدیک کر لیا
اور نفس کو بھی مار رہے ہیں کسی طرح

◆◆◆

یہ شہر اپنے حریفوں سے

یہ شہر اپنے حریفوں سے ہارا تھوڑی ہے
یہ بار سب پہ مگر آشکارا تھوڑی ہے

ترا فراق تو رزق حلال ہے مجھ کو
یہ پھل پرائے شجر سے اتارا تھوڑی ہے

جو عشق کرتا ہے چلتی ہوا سے لڑتا ہے
یہ جھگڑا صرف ہمارا تمہارا تھوڑی ہے

در نگاہ پہ اس کے جو ہم نے عمر گنوائی
یہ فائدہ ہے مری جاں خسارہ تھوڑی ہے

یہ لوگ تجھ سے ہمیں دور کر رہے ہیں مگر
ترے بغیر ہمارا گزارا تھوڑی ہے

جمال آج تو جانے کی مت کرو جلدی
کہ پھر نصیب یہ صحبت دوبارہ تھوڑی ہے

◆◆◆

ہر ستارے کا مقدر ٹوٹنا

ہر ستارے کا مقدر ٹوٹنا تھا
آسماں بچوں کی طرح رو رہا تھا

اتنی مہنگائی تھی بستی میں کہ ہر شخص
اپنے آگے ہاتھ پھیلائے کھڑا تھا

ایسی بولی لگ رہی تھی بادشہ کی
مجھ سے وہ منظر نہ دیکھا جا رہا تھا

تشنہ گان عشق مل کر رو رہے تھے
ایک دریا واسطوں بک رہا تھا

ایک گھر میں چار آنکھیں جل رہی تھیں
شہر سارا نیند میں ڈوبا ہوا تھا

اتنا عادی ہو گیا تھا میں مرض سے
دل دوا کے نام سے ڈرنے لگا تھا

سب کو اپنی اپنی پڑنے لگ گئی تھی
درمیاں اک شخص ایسا آ گیا تھا

سیر کی خاطر وہ نکلا اور اس نے
اپنی جیبوں میں گلستان بھر لیا تھا

یہ خبر اخبار میں کیوں کر نہ آئی
اک شجر کا حسن چوری ہو گیا تھا

مدتوں بعد آج اسے دیکھا تھا میں نے
بال کاڑھے اور منہ دھویا ہوا تھا

برف کے دیوار و در تھے اس لیے گھر
گرمیوں کی چھٹیوں میں بہہ گیا تھا

جانے وہ درویش کیسا تھا کہ جو کل
مجھ سے خوابوں کا تقاضا کر رہا تھا

گھر پہنچ کر آنکھ شرمندہ ہوئی تھی
سارا منظر راستے میں گر گیا تھا

کل اسے دیکھا تھا' اک مسجد میں جاتے

میں اسے اچھے دنوں سے جانتا تھا

◆◆◆

کل رات میں شکست ستم گر

کل رات میں شکست ستم گر سے خوش ہوا
وہ رو پڑا تو دل مرا اندر سے خوش ہوا

دریا تھا' چاند رات تھی اور اس کا ساتھ بھی
لیکن میں ایک ہی منظر سے خوش ہوا

خوش وہ ہے جس کے واسطے دنیا سراب ہے
اس کی خوشی بھی کیا جو میسر سے خوش ہوا

اس آسماں کے نیچے نہیں ایسی کوئی بات
جو خوش ہوا وہ اپنے مقدر سے خوش ہوا

رک سا گیا تھا آنکھ کی خشکی کے درمیاں
چھلکا تو میں بھی اپنے سمندر سے خوش ہوا

جب بھی ہجوم عشق نورداں میں آیا وہ
دو چار سے خفا ہوا' اکثر سے خوش ہوا

میں اس کے ہم سفر سے ملا اس تپاک سے
اندر سے جل کے رہ گیا' باہر سے خوش ہوا

غم بانٹتا تو رسم جہاں ہے مگر جمال
وہ خوش ہوا تو میں بھی برابر سے خوش ہوا

◆◆◆

یہی نہیں کہ مرے نام

یہی نہیں کہ مرے نام سے نہیں نکلا
کوئی ستارہ کسی بام سے نہیں نکلا

مرے لیے بہت آسان تھا رہا ہوتا
مگر میں پھر بھی ترے دام سے نہیں نکلا

اشارہ ہے ترے دیدار کی منادی کا
فلک پہ چاند کسی کام سے نہیں نکلا

جو دکھ ملا اسے سکھ میں بدلتے عمر لگی
جو کانٹا چبھ گیا آرام سے نہیں نکلا

وہ اچھا برف کے ٹکڑے کی طرح صرف اک بار
پھر اس کے بعد مرے جام سے نہیں نکلا

◆◆◆

کوئی شے مکمل نہیں ہے

کوئی شے مکمل نہیں ہے یہاں
جو ہے وہ مسلسل نہیں ہے یہاں

یہ کس شہر میں آ کے ہم بس گئے
کوئی شخص پاگل نہیں ہے یہاں

عجب بات ہے کہ کوئی آدمی
کسی سے بھی افضل نہیں ہے یہاں

یہی بات اچھی لگتی ہے مجھے
کسی بات کا حل نہیں ہے یہاں

مرا اپنا کوئی سمندر نہیں
مرا اپنا بادل نہیں ہے یہاں

مرا اپنا پرچم نہیں ہے کوئی
مری اپنی مشکل نہیں ہے یہاں

مرے باغ تو خواب کی بات ہیں
مرا اپنا جنگل نہیں ہے یہاں

پھر اس کارخانے کا کیا کیجئے
کہ جو آج ہے کل نہیں ہے یہاں

◆◆◆

وہ شل آئینہ دیوار پر

وہ شل آئینہ دیوار پر رکھا ہوا تھا
جو اک انعام میری ہار پر رکھا ہوا تھا

میں بائیں ہاتھ سے دشمن کے حملے روکتا ہوا تھا
کہ دایاں ہاتھ تو دستار پر رکھا ہوا تھا

وہی تو ایک صحرا آشنا تھا قافلے میں
وہ جس نے آبلے کو خار پر رکھا ہوا تھا

وصال و ہجر کے پھل دوسروں کو اس نے بخشے
مجھے تو رونے کی بیگار پر رکھا ہوا تھا

مسلم تھی سخاوت جس کی دنیا بھر میں اس نے
مجھے تنخواہ بے دینار پر رکھا ہوا تھا

خط تقدیر کے سفاک و افسردہ سرے پر
مرا آنسو بھی دست یار پر رکھا ہوا تھا

فلک نے اس کو پالا تھا بڑے ناز و نعم سے
ستارہ جو ترے رخسار پر رکھا ہوا تھا

وہی تو زندہ بچ کے آئے ہیں تیری گلی سے
جنہوں نے سر تری تلوار پر رکھا ہوا تھا

وہ صبح و شام مٹی کے قصیدے بھی سناتا
اور اس نے ہاتھ بھی غدار پر رکھا ہوا تھا

ترے رستے میں میری دونوں آنکھیں تھیں فروزاں
دیا تو بس ترے اصرار پر رکھا ہوا تھا

◆◆◆

بولنے کی الگ حقیقت

بولنے کی الگ حقیقت ہے
ورنہ چپ رہنا بھی وضاحت ہے

کیا بتاؤں تجھے جدائی تری
میری کتنی بڑی ضرورت ہے

کس کو میں رازداں کروں کہ مجھے
نیند میں بولنے کی عادت ہے

یوں سمجھ لو کہ بے گھری کو مری
در و دیوار کی سہولت ہے

آج کل عشق کرنے والوں کو
کاروبار جہاں کی فرصت ہے

جو بھی ہے نام پوچھتا ہے ترا
یہ بھلا کون سی شرافت ہے

سانس لینے پہ اختیار نہیں
یہ محبت ہے یا مصیبت ہے

ایک بے ہجر عشق ہے درپیش
اور میں جھیلتا ہوں ہمت ہے

ماننے والا ہوں میں اس کا جمال
جس کا انکار بھی عبادت ہے

◆◆◆

جہاں بدلنے کا وہ بھی

جہاں بدلنے کا وہ بھی گمان رکھتے ہیں
جو گھر کے نقشے میں پہلے دکان رکھتے ہیں

خدا کے نام کی تکریم کے علمبردار
خدا کے گھر سے بھی اونچے مکان رکھتے ہیں

ہم اپنے جسم میں رکھتے ہیں اک زمیں کی مہک
ہم اپنی روح میں اک آسمان رکھتے ہیں

مرے خدا نے وہ دشمن مجھے نصیب کیے
جو اپنے تیر سے چھوٹی کمان رکھتے ہیں

کسی کی نیم نگاہی سے جلنے لگتا ہے
وہ جس چراغ میں ہم اپنی جان رکھتے ہیں

عبث ہے ان سے توقع کوئی زمانے میں
جو لوگ نشے میں بھی اپنا دھیان رکھتے ہیں

ہر انجمن میں الگ سے دکھائی دیتے ہیں
کوئی فضا ہو ہم اپنی اڑان رکھتے ہیں

ہمیں کسی شجر راہ پر بھروسہ نہیں
کسی کی زلف کو ہم سائبان رکھتے ہیں

◆◆◆

دوا کے نام سے حالت

دوا کے نام سے حالت خراب ہوتی ہے
علاج سے مری صحت خراب ہوتی ہے

جب اور مجھ پہ مسیحا توجہ دیتا ہے
کچھ اور میری طبیعت خراب ہوتی ہے

چراغ راہ کے بجھنے سے کچھ نہیں ہوتا
پہ شام کوئے ملامت خراب ہوتی ہے

یہ سوچ کر نہیں کوئی جہان کا مالک
کبھی کبھی مری نیت خراب ہوتی ہے

خدا کے واسطے تفریق و جمع کر نہ یہاں
فضائے شہر محبت خراب ہوتی ہے

یہ کار عشق ہے یاں اک گھڑی کی غفلت سے
تمام عمر کی محنت خراب ہوتی ہے

دیار عشق میں ملتی ہے سرخروئی اسے
کہ جس کی جتنی بھی عزت خراب ہوتی ہے

◆◆◆

سوچنا کیا، کہاں اٹھا

سوچنا کیا، کہاں اٹھا لایا
اب تو میں آشیاں اٹھا لایا

ہم کہاں آنے جانے والے تھے
ابر نا مہرباں اٹھا لایا

میں تو چپ تھا مگر وہ قصہ ہجر
وصل کے درمیاں اٹھا لایا

رات وہ میرا یار دیرینہ
اک نئی داستاں اٹھا لایا

میں ترے گلشن تذبذب سے
فیصلے کی خزاں اٹھا لایا

اس نے پوچھا تھا کیا شکایت ہے؟
میں یہ کون و مکاں اٹھا لایا

وہ زر چشم لے کے نکلا تھا
شہر کی ہر دکاں اٹھا لایا

لاتا مشکل وہاں سے تھا خود کو
جیسے تیسے میاں اٹھا لایا

عقل اثبات یار چاہتی تھی
دل وہ شاطر گماں اٹھا لایا

میں نہ آتا تھا اس طرف کو جمال
دل مجھے ناگہاں اٹھا لایا

◆◆◆

کسی بھی بات کا جب

کسی بھی بات کا جب اعتبار مشکل ہے
پھر ایسے میں یہاں رہنا تو یار مشکل ہے

کچھ اور وسعتیں درکار ہیں محبت کو
وصال و ہجر پہ دار و مدار مشکل ہے

کہ مسکرانا بھی پڑتا ہے فاتحانہ ہمیں
ترے شکستہ دلوں کی ہزار مشکل ہے

سر ریاست الفت نظام ہے ایسا
کوئی ملے یہاں بے روزگار مشکل ہے

ادھار خواب خریدیں اور آنکھ بیچیں نقد
یہ کاروبار ہے اور کاروبار مشکل ہے

تو کن فضاؤں میں ہے اے رقیب عیش پسند
تری خزاں سے ہماری بہار مشکل ہے

نہ اس کو چومیں تو رستہ بھٹکتی ہیں سانسیں
اور اس کو چومنا بھی بار بار مشکل ہے

اب اس کو ملنے لگے عاشقان جز وقتی
لہذا اپنا شمار و قطار مشکل ہے

◆◆◆

پہلے تو خاکدان بنانے کا

پہلے تو خاکدان بنانے کا دکھ ہوا
پھر آسمان کو مرے جانے کا دکھ ہوا

رویا ہوں ایک ہستی نادیدہ کے حضور
مٹی میں آنسوؤں کو ملانے کا دکھ ہوا

لوگوں کو بھی ملال ہوا میرے حال پر
مجھ کو بھی داستان سنانے کا دکھ ہوا

صحرا بہت نڈھال مری تشنگی سے تھا
دریا کو میری پیاس مٹانے کا دکھ ہوا

پتھر سے آرزوئے وفا شیشہ گر کو ہے
یہ دکھ تو سارے آئینہ خانے کا دکھ ہوا

تیرے وفا پرستوں میں کچھ وہ بھی ہیں جنہیں
دنیا سے تیرے ہاتھ ملانے کا دکھ ہوا

◆◆◆

میں وہاں سر کے بل

میں وہاں سر کے بل رسائی کی
میر نے جس جگہ خدائی کی

بادشاہوں کو رشک آتا ہے
میں نے جس شان سے گدائی کی

یہ خرابہ کبھی کا مٹ جاتا
عشق والوں نے کچھ بھلائی کی

کس میں یہ حوصلہ ہے جز عشاق
جب بھی کی اپنی ہی برائی کی

میرے ہم مکتبوں کو علم نہیں
وصل اک مشق ہے جدائی کی

خاطر یار پہ نہ بار ہوئے
خود وفا خود ہی بے وفائی کی

رزق کا ڈر رفو گروں کو ہوا
اس نے زخموں کی جب سلائی کی

قیس و فرہاد کی تڑپ برحق
میں نے تو صبر آزمائی کی

چھو کے بھاگی تھی اس کو باد نسیم
میں نے گلشن میں جا لڑائی کی

میرے اور اس کے درمیاں ہے جمال
دھند ہی دھند آشنائی کی

◆◆◆

تین اشعار

میرا کوئی پر تو میرے ثانی میں نہیں تھا
جو لفظ میں تھا اس کے معانی میں نہیں تھا

رکھتا تھا کہیں پاؤں تو پڑتا تھا کہیں پاؤں
شاید میرا کردار کہانی میں نہیں تھا

تنہائی سی تنہائی تھی دریا کے کنارے
اس رات میرا عکس بھی پانی میں نہیں تھا

◆◆◆

مکاں گرادیا میں نے

مکاں گرا دیا میں نے، یہ کیا کیا میں نے
نشاں مٹا دیا میں نے، یہ کیا کیا میں نے

گزشتہ عشق کے ہر دکھ سے ماسوا ہے یہ دکھ
تجھے بھلا دیا میں نے، یہ کیا کیا میں نے

خبر نہیں تھی، وہ آنے میں دیر کر دے گا
دیا بجھا دیا میں نے، یہ کیا کیا میں نے

◆◆◆

ہمیں بھلائی ہوئی داستاں میں

ہمیں بھلائی ہوئی داستاں میں چھوڑ آتے
کوئی دیا ہی اندھیرے مکاں میں چھوڑ آتے

بزرگ رحم تو کھاتے کہ تھا میں بے پر و بال
خود آتے مجھ کو مگر آشیاں میں چھوڑ آتے

کسی کو کارِ عبث سے نجات دلواتے
کسی کو سایہ ابر گماں میں چھوڑ آتے

میں بے نیاز گناہ و ثواب تو رہتا
مجھے عبادت شغل بتاں میں چھوڑ آتے

اب ایسی بے سر و سامانی مسافت کیا
تھکن بھی کیا سفر رائیگاں میں چھوڑ آتے

جمال سہل طریقہ تھا جاں بچانے کا
ہم آتے اس کو کہیں درمیاں میں چھوڑ آتے

◆◆◆

محفل میں تجھ کو غیر سے

محفل میں تجھ کو غیر سے وابستہ دیکھ کر
چپ ہیں ترا تکلف برجستہ دیکھ کر

آنکھوں سے عمر بھر کے لیے نیند اڑ گئی
اک خواب کو خیال سے پیوستہ دیکھ کر

شکوے بھی بے شمار تھے اظہار بھی بہت
خاموش ہو گئے تجھے دل بستہ دیکھ کر

ہوتا ہے اس پہ اس لیے آسان ہر سفر
چلتا نہیں مسافر، دل رستہ دیکھ کر

خوش بھی ہوا ہوں اپنی دعا کے اثر سے میں
دکھ بھی ہوا ہے حال ترا خستہ دیکھ کر

سارے مریض اپنا مرض بھولنے لگے
اس کے حنائی ہاتھ میں گلدستہ دیکھ کر

◆◆◆

میں جس کے سائے میں

میں جس کے سائے میں گرمی کی دوپہر کاٹوں
وسیع صحن میں ایسا شجر بنایا جائے

جہاں پہ سردی کی شاموں میں بیٹھیں یار آ کر
اک ایسا کمرا الگ بام پر بنایا جائے

کسی کا قامت زیبا نگاہ میں رکھنا
جب اس مکان کی ڈیوڑھی میں در بنایا جائے

سنہرے رنگ بھرے جائیں طاقچوں کے بیچ
پھر اک چراغ ہر اک طاق پر بنایا جائے

کسی شکستہ مسافر کسی گدا کے لیے
چبوترا کوئی بیرون در بنایا جائے

سحر کی پہلی کرن آئے جس دریچے سے
تمام رات اسے جاگ کر بنایا جائے

منور اتنی ہوں پیشانیاں نمکینوں کی
یہ سوچنا پڑے سورج کدھر بنایا جائے

بنائے جائیں نگیں ایسے کچھ سلیقے سے
بلند سب سے بڑے ہی کا سر بنایا جائے

جہاں آنکھ کھلی میریؔ سانس رکنے سے
اب اک ہجوم مری قبر پر بنایا جائے

◆◆◆

نہ گزرتا تھا پر گزارا

نہ گزرتا تھا پر گزارا ہے
ہجر جو عمر بھر گزارا ہے

ان دنوں عشق سے معطل ہوں
نصف تنخواہ پر گزارا ہے

ایک پل کے لیے ملا تھا وہ
ایک پل عمر بھر گزارا ہے

تو نے دیکھا ہے صرف اور میں نے
موسم بے ثمر گزارا ہے

وہ کڑی دھوپ ہے کہ پتوں کا
شاخ سے ٹوٹ کر گزارا ہے

پیش محبوب آنکھ اٹھائی نہیں
کچھ گلہ بھی اگر گزارا ہے

عشق کے بیوپاریوں کا جمال

صرف نقصان پہ گزارا ہے

◆◆◆

ہم اپنے رنگِ سخن سے

ہم اپنے رنگِ سخن سے نکل کے دیکھتے ہیں
پھر اس کے بعد تماشے غزل کے دیکھتے ہیں

ہزاروں سال یہاں خستہ و خراب رہے
اب اس زمیں کو فلک سے بدل کے دیکھتے ہیں

کسی کے عشق سے کوئی سبق نہیں لیتا
یہ آگ وہ ہے کہ سب اس میں جل کے دیکھتے ہیں

جو دیکھتے ہیں سراپا نگاہ بن کے تجھے
کبھی کبھی کفِ افسوس مل کے دیکھتے ہیں

درِ چمن نہ کرو وا کہ بوالہوس ہیں یہ لوگ
کلی کو دیکھتے ہیں اور مسل کے دیکھتے ہیں

ذرا بیاں کا سلیقہ نہیں ہے یاروں کو
اور اس پہ خواب ہماری غزل کے دیکھتے ہیں

جمال ہیرے کا جوبن ہے تاج میں پنہاں
اسے بھی اس کی گلی ہی میں چل کے دیکھتے ہیں

◆◆◆

ترک بادہ ہے اور لمبی

ترک بادہ ہے اور لمبی رات
آب سادہ ہے اور لمبی رات

میری آنکھیں ہیں اور دیوں کی قطار
تیرا وعدہ ہے اور لمبی رات

اوڑھ کر سو رہا ہوں خالی جام
کم لبادہ ہے اور لمبی رات

گل ہوا مے کدے کا صدر چراغ
غم زیادہ ہے اور لمبی رات

صبح دم وہ دکھائی دے کہ نہ دے
اک ارادہ ہے اور لمبی رات

اک محل کی غلام گردشوں میں
شاہ زادہ ہے اور لمبی رات

آج گور کبیر الاولیا پہ
پیرزادہ ہے اور لمبی رات

◆◆◆

تمنا کے مارے نہیں مل

تمنا کے مارے نہیں مل سکے
وہ ساتھی ہمارے نہیں مل سکے

بہت ہم نے چاہا مگر زندگی
ہمارے ستارے نہیں مل سکے

سبھی ایک اک کر کے اس سے ملے
ہمی بے قطارے نہیں مل سکے

ہماری سمجھ میں وہ سب آ گئے
ہمیں جو اشارے نہیں مل سکے

میں وہ نادہندہ کہ لمحات عشق
کہیں سے ادھارے نہیں مل سکے

کوئے یار میں ایسے بھی لوگ تھے
جو دامن پسارے نہیں مل سکے

یہ کس خاک داں میں بسر کی جمال
نشاں بھی تمہارے نہیں مل سکے

◆◆◆

دل کی طرف دماغ سے

دل کی طرف دماغ سے وہ آنے والا ہے
یہ بھی مکان ہاتھ سے اب جانے والا ہے

اک لہر اس کی آنکھ میں ہے حوصلہ شکن
اک رنگ اس کے چہرے پہ بہکانے والا ہے

یہ کون آنے جانے لگا اس گلی میں اب
یہ کون میری داستاں دہرانے والا ہے

دنیا پسند آنے لگی دل کو اب بہت
سمجھو کہ اب یہ باغ بھی مرجھانے والا ہے

جو ساعت حسیں تھی وہ رو کے نہیں رکی
یہ لمحہ بھی جمال گزر جانے والا ہے

◆◆◆

ہجوم دل فگاراں کا عجب

ہجوم دل فگاراں کا عجب عالم کیا اس نے
کل اک بزم عزاداراں میں جب ماتم کیا اس نے

وہ رویا تھا کہ ایام عزا میں رونا نعمت ہے
کوئی میرے بچھڑ جانے کا تھوڑی غم کیا اس نے

مسیحاؤں کے چہروں پر ندامت کے پسینے تھے
مری حالت پہ جب اک اسم پڑھ کر دم کیا اس نے

وہ آنچل وہ سیہ آنچل جسے شام محبت میں
کبھی چادر کیا اس نے کبھی پرچم کیا اس نے

مری خانہ خرابی پر وہ آنکھ اس طرح بھر آئی
اک آنسو سے سمندر کو تری میں کم کیا اس نے

قسم کھائی ہے جھوٹی اس نے اک شام محرم کی
ہمارا کیا بگاڑا؟ اپنا زرخ کم کیا اس نے

اس لمحے منور ہو گیا تھا وصل کا منظر
دیے کی لو کو جس انداز سے مدھم کیا اس نے

سپرد آب کرنے سے ذرا پہلے کا قصہ ہے
خود اپنے اشکوں سے میرا عریضہ نم کیا اس نے

◆◆◆

یہ عجب فکر پڑی ہے

یہ عجب فکر پڑی ہے مجھ میں
مجھ سے کیا چیز بڑی ہے مجھ میں

جس انا پر ہے تجھے اتنا گھمنڈ
وہ تو تجھ سے بھی بڑی ہے مجھ میں

مجھ سے ملنے نہیں دیتی مجھ کو
وہ جو دیوار کھڑی ہے مجھ میں

پھینکنے پڑ گئے ہتھیار مجھے
اس نے وہ جنگ لڑی ہے مجھ میں

ہے کہیں کوئی مسیحا تو بنے
زیست بیمار پڑی ہے مجھ میں

اس پہ ایمان بہت ہے میرا
اس سے جو بھی گھڑی ہے مجھ میں

سائبان نگہ یار نہیں
ان دنوں دھوپ کڑی ہے مجھ میں

منتظر ہوں کہ کوئی آ جائے
ان دنوں فصل کھڑی ہے مجھ میں

میں نے مارا تھا جسے لاش اس کی
ایک مدت سے پڑی ہے مجھ میں

◆◆◆

ویسے تو ہر زمانے کو

ویسے تو ہر زمانے کو حاجت ہے آپ کی
پر ان دنوں زیادہ ضرورت ہے آپ کی

کیسے مڑے گا باد تعصب کا رخ حضور
آندھی کی زد پہ شمع اخوت ہے آپ کی

ان کو نسب کا پاس نہ ان کو شرف کا دھیان
یہ آل آپ کی ہے یہ امت ہے آپ کی

ہے آپ ہی کی ذات پس ہر نظام دہر
کوئی بھی سلطنت ہو حکومت ہے آپ کی

افسوس اس کے ہاتھ میں کشکول اب بھی ہے
جس قوم کو نصیب حمایت ہے آپ کی

کوئی مکین آپ سے مخلص نہیں یہاں
اس گھر پہ پھر بھی چشم عنایت ہے آپ کی

اپنی طرف سے چھوڑی نہیں ہم نے کچھ کسر
یہ ملک چل رہا ہے تو رحمت ہے آپ کی

◆◆◆

کیا حوصلہ دیا ہے خدا

کیا حوصلہ دیا ہے خدا نے پڑے پڑے
لیتا ہوں دشمنوں کے نشانے پڑے پڑے

جتنی دوائیں میرے مسیحا نے مجھ کو دیں
بے کار ہو گئی ہیں سرہانے پڑے پڑے

جو میری پائنتی سے نہیں رات بھر ہلا
اس کو سکون کیا ملا جانے پڑے پڑے

آنسو رکے تو اس نے مسیحا سے یہ کہا
کیا زنگ لگ گئے ہیں خزانے پڑے پڑے

صحت کا اپنی مژدہ سناتا ہوں روز اسے
گھڑنے لگا ہوں خوب بہانے پڑے پڑے

◆◆◆

نشہ کچھ ایسا تھا کہ

نشہ کچھ ایسا تھا کہ سمجھ میں نہ آئی بات
جب ایک روز بزم میں اس نے اٹھائی بات

یہ کائنات ورنہ کبھی کی تمام تھی
دو چار لوگ تھے کہ جنہوں نے بنائی بات

اک بات تھی جو میں نے کہی تھی بہ صد نیاز
لیکن یہ میری بات میں کس نے ملائی بات

دنیا جہاں کا ذکر کیا رات بھر مگر
اک دوسرے سے دونوں نے دل کی چھپائی بات

یہ سارا باغ اس کے رویے سے تنگ ہے
اس گل ہی نے بڑھائی ہے جب بھی بڑھائی بات

میں نے کہا زیادہ ہے مجھ کو دماغ کچھ
اس نے چمن میں جا کے صبا سے لگائی بات

ہر بار صرف سر کو ہلاتا ہے نفی میں
اس سے تو کچھ کے ہم نے ہمیشہ گنوائی بات

چاہے جمال دوسرے ہی کی زمین ہو
ہم نے تو جب سنائی ہے اپنی سنائی بات

◆◆◆

سمجھا نہیں گیا جو مجھے

سمجھا نہیں گیا جو مجھے گھر کا آدمی
مجھ میں بکھر گیا، مرے اندر کا آدمی

تاہم بھی اس سے پنجہ کشی کا اٹھائیں لطف
لاؤ کوئی ہمارے برابر کا آدمی

میں سبزہ و گلاب کے شجرے کا فرد ہوں
اور میرا ہم رکاب ہے پتھر کا آدمی

ہم اس کو آدمی ہی نہیں مانتے جمال
جو آدمی ہو صرف مقدر کا آدمی

◆◆◆

وہم نے مجھ میں بھی

وہم نے مجھ میں بھی اک نقش ابھارا تھا کوئی
ان نگاہوں میں بھی ہلکا سا اشارہ تھا کوئی

تو نے محفل سے جب اٹھنے کا ارادہ باندھا
کیا تجھے یاد نہیں ہے کہ پکارا تھا کوئی

دیپ مدھم تھے سرِ بزم رقیب اور اس کی
جھلملاتی ہوئی آنکھوں میں ستارہ تھا کوئی

اس کے نزدیک پہنچ کر مجھے معلوم ہوا
وہ کسی دوسرے دریا کا کنارہ تھا کوئی

کس سے احوال بیاں کرتا تری محفل میں
دل گرفتہ تھا کوئی، درد کا مارا تھا کوئی

اس کے بھی جسم پہ آثار تھکن کے تھے بہت
میں نے بھی پہلے پہل بوجھ اتارا تھا کوئی

◆◆◆

مجھ کو وہ بھی بسا

مجھ کو وہ بھی بسا غنیمت تھا
اس سے جو رشتہ شکایت تھا

اب یہ عقدہ کھلا کہ اس کے لئے
میں محبت نہیں ضرورت تھا

تو نے احساس ہی نہ ہونے دیا
جو بھی کچھ تھا' تری بدولت تھا

عشق کی ہر دکاں تھی گھاٹے میں
اپنا جب کاروبار وحشت تھا

جو بھی تھا' تھا وہ اپنا دشمن زیست
یہ کبھی شیوہ محبت تھا

وہ ہی تو ساعت جدائی تھی
وہ جو اک لمحہ رفاقت تھا

مجھ پہ اس چشم تر نے سہل کیا
ورنہ یہ عشق تو مصیبت تھا

میں نے وہ ہجر بھی گزارا ہے
جب ترا قرب بھی نہایت تھا

کس کو سمجھاؤں بھلا مجھ

کس کو سمجھاؤں بھلا مجھ کو جو یار افسوس ہے
منتظر ہوں تیرا میں اور انتظار افسوس ہے

ایک بس تیرے نہ ہونے سے جہان خاک میں
بے پناہ افسردگی ہے، بے کنار افسوس ہے

مجھ کو رہنے کے لیے جو باغ بخشا ہے وہاں
کیا خزاں کا ذکر کرتے ہو بہار افسوس ہے

تیری موجودی میں بیٹھا ہوں یہاں بے سائباں
زلف جاناں رنج ہے، اے چشم یار افسوس ہے

نکتہ یہ تعلیم اک کہنہ شرابی نے کیا
مے کشی ہے اک مسرت اور خمار افسوس ہے

یہ ریاست عشق کی ہے، اس کے اپنے ہیں اصول
بے قراری اس جگہ نعمت، قرار افسوس ہے

وہ مریض عشق ہوں روز ازل سے میں جمال
جس کی حالت پر مسیحا کو ہزار افسوس ہے

◆◆◆

بیٹھ کر خوبیاں اپنی ہی

بیٹھ کر خوبیاں اپنی ہی نکالی جائیں
کیوں بھلا نیکیاں دریاؤں میں ڈالی جائیں

پیش احباب رہے میرا دریدہ ملبوس
پگڑیاں جب سر بازار اچھالی جائیں

صرف شہزادیوں پر شاہ کا اصرار ہے کیوں
کچھ کنیزیں بھی دشمن سے چھڑالی جائیں

اب تو میں کھینچ چکا دست مروت اپنا
دیکھ اس بار ترے وار نہ خالی جائیں

◆◆◆

جون ایلیا کی نذر

میں اس دنیا میں یوں اتنا رہا نہیں
یہ سب کچھ ہے مگر رہنے کی جا نہیں

نہ رہنا خوش گماں شجرے سے میرے
کہ مجھ پر باپ کا سایہ پڑا نہیں

میاں وصل مت کر شکوہ ہجر
اب اس پانی میں تو مٹی ملا نہیں

رقیب من فسردہ ہار پڑ تھا
وہ منظر مجھ سے تو دیکھا گیا نہیں

کوئی تو بات اس کم رو میں ہو گی
یونہی یہ شہر دیوانہ ہوا نہیں

خدا مانا تجھے اس دور میں بھی
میں اپنی بات سے پیچھے ہٹا نہیں

یہ سب زخموں کے بڑھنے سے ہوا ہے
میں جیسا ہو گیا ہوں ایسا تھا نہیں

خدا سے ہیں بہت مایوس ہم لوگ
اب اس سے آگے کوئی راستہ نہیں

تری دیوار سے جھگڑا ہے میرا
تیری دیوار کا سایہ برا نہیں

کہاں کشکول لے کر پھر رہے ہو
میری آنکھوں کی ویرانی میں کیا نہیں

◆◆◆

تو اپنے وصل کے وعدے

تو اپنے وصل کے وعدے سے جب مکرنے لگا
تو میں نے دیکھا ترا پیرہن بکھرنے لگا

جب آدھی رات کو ساری شراب ختم ہوئی
وہ اپنی آنکھ سے میرا پیالہ بھرنے لگا

اسے غزل سے کسی طور کم نہیں چاہا
سو وہ بھی قافیے کی طرح تنگ کرنے لگا

ہوائے صبح نے ہم دونوں کو اداس کیا
جمال پیڑ سے اک سایہ جب اترنے لگا

◆◆◆

کچھ سر رہ گزر نہیں

کچھ سر رہ گزر نہیں ہوتا
وہ کسی روز اگر نہیں ہوتا

کچھ نہ کچھ اس زمیں پہ ہر لمحے
ہوتا رہتا ہے پر نہیں ہوتا

اس گھڑی بھی میں اس کو دیکھتا ہوں
جس گھڑی بام پر نہیں ہوتا

پہلے میں بھول جایا کرتا تھا
اب تو کچھ درگزر نہیں ہوتا

اب کسی شخص کے بچھڑنے کا
دل پہ کوئی اثر نہیں ہوتا

◆◆◆

کہنی ہے ایک بات دل

کہنی ہے ایک بات دل شاد کام سے
تنگ آ گیا ہوں یارؤ محبت کے نام سے

میں ہوں کہ مجھ کو دیدہ بینا کا روگ ہے
اور لوگ ہیں کہ کام انہیں اپنے کام سے

عشاق ہیں کہ مرنے کی لذت سے ہیں نڈھال
شمشیر ہے کہ نکلی نہیں ہے نیام سے

جب اس نے جا کے پہلوئے گل میں نشست کی
باد صبا بچھڑ گئی اپنے خرام سے

وحشت اک اور ہے مجھے ہجرت سے بھی سوا
ہم خانہ مطمئن نہیں میرے قیام سے

میری تو بات اور ہے وہ خوش نہیں کہ جو
ہم رنگ ہو گئے در و دیوار و بام سے

پانی تھا وہ سو اس کا مقدر ہوا بنی
میں آگ تھا سو خاک ہوا اہتمام سے

ہر اسم بے طلسم تھا لیکن جمال میں
تارے کو ماہ تاب کیا اس کے نام سے

◆◆◆

کسی جزو میں کل نہیں

کسی جزو میں کل نہیں ہے میاں
یہ سچ ہے تجاہل نہیں ہے میاں

جب آئے تو وقت مقرر پہ آ
مجھے کچھ تحمل نہیں ہے میاں

بہت دکھ اٹھا کر لکھے ہیں یہ شعر
کسی سے تقابل نہیں ہے میاں

مری سانس کی آمد و رفت ہے
یہ زنجیر کا غل نہیں ہے میاں

مری آنکھ کے سارے دریا ترے
یہاں دیکھ لے پل نہیں ہے میاں

مرے خانہ دل میں آباد رہ
یہاں روشنی گل نہیں ہے میاں

یہ اس بار کیسی بہار آئی ہے
کسی شاخ پہ گل نہیں ہے میاں

جسے صبح و شام اپنا کہتے رہیں
حقیقت میں بالکل نہیں ہے میاں

◆◆◆

زمیں کا مکیں آسماں سے

زمیں کا مکیں آسماں سے یاد آ گیا
وہاں سے یاد کر لیا جہاں سے یاد آ گیا

میں اس کا پہلا اور آخری سرا تو ڈھونڈ لوں
جو قصہ عجیب درمیاں سے یاد آ گیا

سحر سے شام گیند کھیلتا تھا جس کے ساتھ میں
کسی پرانے زخم کے نشاں سے یاد آ گیا

تم اس نگر کی روز سیر کرنے آتے ہو سو آج
جمال خستہ و خجل کہاں سے یاد آ گیا

◆◆◆

ہر شے کے بدل گئے

ہر شے کے بدل گئے معانی
جب بھی تجھے بھولنے کی ٹھانی

تا ہو نہ دروغ و حق کی تمیز
گدلا دیا اس نے سارا پانی

وہ بھی شب و روز تھے کہ جب تھے
یاد اس کے نقوش منہ زبانی

میں اس کو ستارہ کر رہا تھا
اس نے مری بات ہی نہ مانی

شہروں کی طرف نکل گئے ہیں
صحراؤں کی رونقوں کے بانی

کچھ یاد ہے شام کو ترے ساتھ
میں تھا کہ مرا وجود ثانی

ہر چیز کو اس جگہ فنا ہے
اک تیرا نہ ہونا جاودانی

◆◆◆

مرا قصیدہ اسی مہرباں کے

مرا قصیدہ اسی مہرباں کے واسطے ہے
جو ایک اسم ہے اور دو جہاں کے واسطے ہے

وہ کائنات کی تکمیل ہیں اور ان کے سوا
کچھ اور ہے تو وہ حسن بیاں کے واسطے ہے

میں راہ عشق محمد میں کھونا چاہتا ہوں
مرا سفر مرے نام و نشاں کے واسطے ہے

بھٹکنا چاہوں بھی میں تو بھٹک نہیں سکتا
زمیں کہیں بھی رہے آسماں کے واسطے ہے

◆◆◆

صفت درویش کی لیجے دوانے

صفت درویش کی لیجے دوانے والے رکھتا ہے
مگر انداز وہ سارے زمانے والے رکھتا ہے

ہمیں بھی دشمنی ہے باپ دادا کے زمانے سے
سو وہ بھی بغض دل میں کچھ پرانے والے رکھتا ہے

جہاں مامور کرتا ہے خدا تخریب کاروں کو
وہاں دو چار وہ بستی بسانے والے رکھتا ہے

تمنا ہم بھی اس کو یاد رکھنے کی نہیں کرتے
ارادے وہ بھی ہم کو بھول جانے والے رکھتا ہے

جمال اشعار اٹھتے ہی نہیں اس کے کسی صورت
اگرچہ ساتھ وہ مصرعے اٹھانے والے رکھتا ہے

◆◆◆

عادت شب بیداری بڑھتی جاتی

عادت شب بیداری بڑھتی جاتی ہے
جب سے گریہ و زاری بڑھتی جاتی ہے

زیست میں جب سے در آئی ہے اک ترتیب
سانس کی ناہمواری بڑھتی جاتی ہے

اس کی انا بھی کم نہیں ہوتی پل بھر کو
میری بھی بیماری بڑھتی جاتی ہے

جس کو خبر ہے اس کو نہیں ہے کوئی غرض
کیوں میری خواری سے بڑھتی جاتی ہے

حالت یہ ہے میل نہیں کچھ دونوں میں
صورت یہ ہے یاری بڑھتی جاتی ہے

پہلے جو ناممکن تھا ممکن ہے اب
میری تو دشواری بڑھتی جاتی ہے

◆◆◆

حالت وہ اپنی ہے کہ دل

حالت وہ اپنی ہے کہ دل و جاں بہم نہیں
ایسے میں تیری آرزو رکھنا بھی کم نہیں

کہنے کو اس کا لطف بھی ہر چند کم نہیں
لیکن اب اس کے بوسہ لب میں وہ دم نہیں

ایسا ہے دل میں تیری طرف سے غبار ہے
ایسا نہیں کہ تجھ سے بچھڑنے کا غم نہیں

مجھ میں تری جدائی کا موسم ٹھہرنے سے
عالم وہ دل کا ہے کہ مری آنکھ نم نہیں

کیا دیکھتا ہوں آدھی مسافت گزار کے
وہ میرا ہم سفر ہے مرا ہم قدم نہیں

جاتے نہیں ہیں ہم کسی تقریب میں کہیں
شاید وہ اس لیے وہاں آئے کہ ہم نہیں

◆◆◆

پانی کی نقش پا سے

پانی کی نقش پا سے وہ رنگت نکھارے ہے
اس کا خرام دیدہ تر میں ہمارے ہے

گر جائے تو زمیں کو فلک تک اچھال دے
جو اشک آج اس کی پلک کے کنارے ہے

دل کو نہیں ہے شہر کی رونق میں کچھ قرار
دریا کی طرح دشت میں یہ موج مارے ہے

جیسے ہماری وجہ سے یہ عہد ہے خراب
ہم پر زمانے بھر کا وہ غصہ اتارے ہے

پھر کیا تمہیں بتائیں نشیب و فراز عشق
کرنا وہی ہے تم کو جو دل میں تمہارے ہے

◆◆◆

تیر جن کے سینوں پر

تیر جن کے سینوں پر شب بھر چلے
صبح اپنے اپنے کاموں پر چلے

حکمت و مشائے چارہ گر ہے یہ
نبض بیماروں کی رک رک کر چلے

اس قدر مشکل ہوا ایفائے عہد
لوگ اپنے آپ سے باہر چلے

ہے وہ مہنگائی سر بازار عشق
شام کو سب اپنے اپنے گھر چلے

تو نے جب دل توڑ کر ہی رکھ دیا
پھر یہ سکہ کن دکانوں پر چلے

کس نے آ کر گھاٹ پر باندھی ہے ناؤ
آنکھ میں ٹھہرے ہوئے منظر چلے

آسمانوں کے تلے بیٹھا ہی رہ
جب تلک افسون چشم تر چلے

◆◆◆

نفرت نہ دی مجھے کہ

نفرت نہ دی مجھے کہ محبت نہ دی مجھے
اس نے کسی بھی طرح کی زحمت نہ دی مجھے

میرے لہو سے حسن کی آرائش اس نے کی
اور اس کے بعد کوئی اجازت نہ دی مجھے

اک روگ ہے یہ نصف حقیقت مرے لیے
آئینہ دے دیا گیا' حیرت نہ دی مجھے

جس کے طفیل کام سے میں جی چراتا تھا
اس نے پلک جھپکنے کی فرصت نہ دی مجھے

کیا اور اس سے مانگتا جس نے تمام عمر
تجھ سے بچھڑ کے جانے کی ہمت نہ دی مجھے

جس نے مجھے زیادہ رکھا' آب و خاک سے
شایان شان اس نے بھی عزت نہ دی مجھے

یہ پوری کائنات دی زیر نگیں مرے
لیکن ذرا سے صبر کی طاقت نہ دی مجھے

گاہک اک ایسا بھی سر بازار آیا تھا
جس نے خرید کے مری قیمت نہ دی مجھے

◆◆◆

چاند اس ساتھ ستارہ مرے

چاند اس ساتھ ستارہ مرے ساتھ
کوئی کرتا یہ نظارہ مرے ساتھ

اجنبی تھا پہ سر منزل ذات
اس نے سامان اتارا مرے ساتھ

ہو گئی باغ کی حالت کیسی
چل کے دیکھو تو خدارا مرے ساتھ

شور و غل کرتا ہے دریا ہر پل
چلتا ہے ایک کنارہ میرے ساتھ

اس میں بھی مجھ سے نہیں ملتا تھا
اس نے جو وقت گزارا مرے ساتھ

عید تہوار کے ملنے والو
رشتہ بھی کیا ہے تمہارا مرے ساتھ

شہر کو خوب خبر ہے کہ وہ شخص
دیکھا جائے گا دوبارہ مرے ساتھ

میرے چہرے مری آنکھوں کے سوا
کون اٹھاتا ہے خسارہ مرے ساتھ

ٹھوکریں کھاتا ہوا پھرتا ہے
میری قسمت کا ستارہ مرے ساتھ

میں نے جب شعر سر بزم پڑھے
نہ ہوا وہ مرا پیارا مرے ساتھ

کوئی طوفان ہو رہتا ہے جمال
ایک دریا کا کنارہ مرے ساتھ

◆◆◆

قربتوں میں کوئی راحت نہ

قربتوں میں کوئی راحت نہ کسی دوری میں
جان ہلکان ہوئی عشق کی مزدوری میں

تجھ سے اب کوئی توقع نہیں پر بیٹھے ہیں
ہم ترے سایہ دیوار کی مجبوری میں

ایک بیمار تمنا کا سہارا لے کر
تجھ تلک چلتے ہوئے آئے ہیں معذوری میں

دیکھنے والوں نے یکجان سمجھ رکھا تھا
اور ہم ساتھ نبھاتے رہے مجبوری میں

تم نے اس بات کی گر اس سے اجازت چاہی
عمر لگ جائے گی اس بات کی منظوری میں

ان دنوں شہر کی کچھ ایسی فضا ہے کہ جمال
گھر سے جاتے ہیں نکل کے بڑی مجبوری میں

◆◆◆

اک بوجھ رکھا ہے سینے

اک بوجھ رکھا ہے سینے پر
جیسے کوئی سانپ خزینے پر

صحرا کی سمت نکل آئے
وہ دریا ایک سفینے پر

میں آگ بدلنے ٹھہرا ہوں
لکڑی کے بنے ہوئے زینے پر

وہ کچھ بھی نہیں سنتا میری
جو مجھ میں یہ ضد ہے جینے پر

مرے بازو مجھ سے منگوا کر
مجھے بھیج دیئے ہیں کسی نے پر

چہرے کا چراغ نہیں جلتا
ہے ایسی دھند آئینے پر

جس کی باتوں پہ کڑھتا ہوں
مرتا ہوں اسی کمینے پہ

کچھ اور سوا ہو جاتا ہے
ہر قرض جمال مہینے پہ

جو دکھائی دیتا ہے ایسا

جو دکھائی دیتا ہے ایسا ہے کیوں
ہر قدم پر سوچ یہ دنیا ہے کیوں

کچھ رموز آب و گل پر غور کر
ہے یہ صحرا کس لیئے دریا ہے کیوں

رات کی تہہ میں چھپا ہے کیسا خوف
شام ہی سے اک دیا جلتا ہے کیوں

جسم کے ہر راز کو مت راز رکھ
ذات کے اظہار سے ڈرتا ہے کیوں

کاٹ دے اس ہاتھ کے کشکول کو
اپنے آگے ہی کئی پھیلا ہے کیوں

زندگی اور موت یکساں ہیں اگر
درمیاں پھر سانس کا جھگڑا ہے کیوں

راز ابھی یہ بالا از ادراک ہے
اس خرابے میں کوئی ہنستا ہے کیوں

جمع کر اب ہر قدم پر آ بلے
گھر سے ننگے پاؤں تو نکلا ہے کیوں

مدتوں بعد اس گلی سے گزرا میں
اس دریچے میں نیا لڑکا ہے کیوں

◆◆◆

سلیم کوثر کے نام

یہ ظلم مرے چاہنے والے نہیں کرنا
دیکھو مجھے دنیا کے حوالے نہیں کرنا

نزدیک سے دیکھو تو نظر آتا نہیں کچھ
اس شہر میں اب اور اجالے نہیں کرنا

پانی نہیں دینا مرے یادوں کے شجر کو
یہ کام مرے بھولنے والے نہیں کرنا

آئندہ سفر کے لئے رکھنا کوئی رستہ
کشتی کو سمندر کے حوالے نہیں کرنا

اس دل کی طرف آنے نہ دینا کوئی لشکر
اس شہر کو غیروں کے حوالے نہیں کرنا

◆◆◆

اتفاق حسب نسب ہیں ہم
ورنہ اک دوسرے کے کب ہیں ہم

آخر آخر یہی سمجھ پائے
جس جگہ بھی ہیں بے سبب ہیں ہم

اس جہاں میں جواز کیا ڈھونڈیں
اپنے کنبے میں بے سبب ہیں ہم

دنیا والوں کے ڈر سے چپ ہیں جمال
ورنہ اس خانداں کے کب ہیں ہم

◆◆◆

اس گلی میں ہزار آئے

اس گلی میں ہزار آئے ہیں
ایک ہم بے قرار آئے ہیں

عرضیاں اپنی جیب میں رکھے
تیرے بے روزگار آئے ہیں

جانے والوں کی یاد آئی ہے
جب بھی دن خوشگوار آئے ہیں

اہلِ خانہ سے بھی کبھی نہ کہا
کیسا ہم دن گزار آئے ہیں

عشق میں کوئی کام آیا نہیں
خود کو بھی کل پکار آئے ہیں

جو نہیں تھا ہمارے پاس جمال
عشق میں وہ بھی وار آئے ہیں

◆◆◆

گھر اپنا نہیں، گھر کی

گھر اپنا نہیں، گھر کی فضا اپنی نہیں ہے
چلتی ہے یہاں جو وہ ہوا اپنی نہیں ہے

جانے کے لیے در کئی دیوار کے اندر
رہنے کے لیے کوئی بھی جا اپنی نہیں ہے

کیوں عدل کی زنجیر ہلاتے ہو یہاں جب
جرم اپنا نہیں، اس کی سزا اپنی نہیں ہے

حیرت نہیں جو اہل سخاوت اپنے نہیں
حد ہے کہ قطار فقرا اپنی نہیں ہے

کھلتا ہی نہیں باب فضیلت کسی صورت
ہاتھ اپنے نہیں ہیں کہ دعا اپنی نہیں ہے

اخفا سے تو کچھ اور ہے ظاہر مرا احوال
جسم اپنا ہے پر اس پہ قبا اپنی نہیں ہے

◆◆◆